امامِ امت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عالمی صورتحال

فارس وروم کی حکومتیں صدیوں سے ایک ہی خاندان میں چلی آرہی تھیں۔ اقتدار کے اس طویل عرصے نے انہیں بعض خرابیوں کا خوگر بنا دیا تھا۔ ان میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ حکمرانوں کو اقتدار کے نشے نے دنیاوی لذتوں، آرام وآسائش اور عیش وعشرت کا غلام بنادیا تھا اور ان کو اس ناعاقبت اندیشی نے ان کی فکر وذہن کو شیطان کے حوالے کر ڈالا تھا۔ وہ ان عیش پرستوں اور عیش کوشیوں کے ایسے دلدادہ ہوئے کہ بس ان ہی کے ہوکر رہ گئے ان بادشاہوں کی اس احمقانہ روش سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے دنیا بھر کے ''اعلیٰ دماغ'' ان کے حاشیہ بردار بننے لگے اور اس طرح ان کے افکار واذہان بھی سب طرف سے کٹ کر اس بات کے ہوگئے کہ اپنی خدا داد صلاحیتیں صرف کر کے اپنے آقاؤں کے آرام وآسائش، عیش وعشرت اور نمود ونمائش کے سامان فراہم کریں۔ انہیں عیش پرستوں کے نئے سامانوں اور نئے طریقوں سے آگاہ کریں۔ یہ ایک مسلم قاعدہ ہے ''رعایا اور عوام اس راہ پر چلتے ہیں جس پر ان کے حکمران اور اہل اقتدار چلتے ہیں۔'' چنانچہ یہی ہوا، اور ہوتے ہوتے بڑوں کی خصلتیں عوام میں بھی عام ہونے لگیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارا معاشرہ اس گرداب میں گھر کر رہ گیا۔ ہر چھوٹے بڑے کی مساعی کا مدعا یہ ہوگیا کہ وہ کس طرح ان اسباب کا مالک بن جائے، جن کی موجودگی میں وہ اس معیار کی زندگی گذار سکے، جس کا چلن سارے ملک میں عام ہوتا جارہا تھا۔ اب اگر ان میں باہمی مسابقت کا کوئی میدان تھا تو یہی کہ کون زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرتا ہے اور کون زیادہ شان وشوکت سے زندگی گذارتا ہے۔ قدر ومنزل اس کی ہوتی جو اس میدان کو سر کرلیتا۔ غیرت حمیت اور ناموس کو اگر اس بازی کے جیتنے کے لیے داؤ پر لگانا ضروری ہوتا تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن جو بدقسمتی سے ان کے حصول کی راہ میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکتا، دنیا بھر کی ذلتیں اس کا مقدر ہوتیں۔ جو اس مفروضہ معیار سے جتنا کم ہوتا، اتنا ہی ذلیل اور بے عزت خیال کیا جاتا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی سرکاری افسر یا معزز شہری ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا پٹکا استعمال کرتا یا اس کی دستار اس سے کم داموں کی ہوتی یا اگر اس کے پاس رہنے کو پرشکوہ محل نہ ہوتا، شاندار باغ اور عالی شان حمام اور تفریح گاہ نہ ہوتی یا اگر اس کا دستر خوان اعلیٰ درجے کے کھانوں سے نہ سجایا جاتا تو کسی بھی حال میں وہ قابل احترام نہ ہوتا اور اسے حقیر وکم نوا خیال کیا جاتا۔ یہ روگ اس بزی طرح ان کے ذہنوں اور افکار پر سوار ہوگیا تھا کہ اس نے ان کے تمام فکری قویٰ کو معطل کر کے رکھ دیا۔ ان اشیاء کے حصول کی خواہش کو ان کے دلوں سے دور کرنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا گوشت سے ناخن کا جدا ہونا۔ پھر یہ مصیبت تنہا کسی ایک فرد، کسی ایک خاندان، کسی مخصوص گروہ پر ہی نہیں آئی تھی بلکہ اس نے سارے معاشرے کو گھن لگا دیا تھا۔ یہ ایک ہمہ گیر وبا تھی، جس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی اور جس کا علاج کسی کے پاس نہ تھا۔

جب حالات ایسے ہوں اور مصائب کی یہ حالت ہو تو پھر کس سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ ذرا دیر کے لیے سہی، گردن اٹھا کر دوسری دنیا کی طرف دیکھ لیتا۔ دنیا کی

زندگی جب اس طرح بندھنوں میں جکڑ دی جائے اور وسائل بھی سارے کے سارے کلیتاً ظالموں کے ہاتھ میں ہوں تو پھر سعادت اخروی کا خیال کیسے آسکتا ہے اور کیسے آئے؟ کسی کو اس بات کا موقع ہی نہیں دیا جاتا کہ اپنے اور اپنے خاندان کی اخروی بھلائی کے بارے میں کوئی فکر کرسکے اور اس بارے میں کچھ سوچ سکے۔ ان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کا ہر طبقہ اور ہر گروہ فکر آخرت سے صدیوں بلکہ قرنوں کی مسافت پر رہ گیا۔لوگوں کی اس عام بدبختی کا حال یہ تھا کہ بڑی سے بڑی مملکت کی حدود میں ایک متنفس بھی ایسا نہ ملتا تھا جسے اپنی عاقبت کا خیال آتا ہو، جو دین ومذہب کے بارے میں کچھ سوچتا ہو۔

اس طرزِ زندگی کے لوازم میں یہ بھی شامل تھا کہ بادشاہوں اور امراء کے دربار ہوتے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے جو ان کے دربار داری کے فرائض انجام دیتے۔ چنانچہ ان کے حاشیہ نشینوں کی ایک فوج تیار ہوگئی۔ان کا کام صرف اس قدر تھا کہ ان کی شان میں قصیدے کہتے، ان کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے، انہیں اس بات کا یقین دلاتے کہ ہماری زندگیاں آپ کے لیے وقف ہیں اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھاتے کہ وہ جو کچھ کررہے ہیں، عین ثواب ہے اور جس ''تہذیب'' کو وہ پھیلارہے ہیں، عین تقاضائے وقت ہے۔ نیز یہ کہ شاہی رسوم ورواج کو مروج کرنے کے سلسلے میں بادشاہوں کو ان کی خدمات کی ضرورت ہے۔ ان کی احمقانہ شاہ خرچیوں کی تعریف وتوصیف کرتے۔

یہ خرابیاں صرف مالی مسائل پیدا کرنے کا سبب ہی نہیں بنیں، بلکہ انہوں نے قوم کی اخلاقی قدروں کو بھی مسمار کردیا۔ معاشرے میں ان کی وجہ سے ایسی اخلاقی بیماریاں پیدا ہونے لگیں جو روز افزوں اور جان لیوا تھیں۔ ان بیماریوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ نیکی سے دور ہوتے چلے گئے۔ یہ خرابیاں جب پورے عروج پر پہنچ چکیں تو سارا ملک ایک آتشیں تالاب میں تبدیل ہوگیا۔ اس تالاب سے سیر ہونے والی زندگیاں جھلستی چلی گئیں اور خدا کی زمین مکمل طور پر بنجر ہوتی گئی۔ ادھر مشیت الٰہی نے حالات کو بدلنے کا تہیہ کرلیا تاکہ خدا کے بندوں کو اس عذاب سے جس میں وہ دانستہ طور پر خواہی نہ خواہی مبتلا کردیئے گئے تھے، چھٹکارا ملے۔ خدا جس نے اس کائنات اور اس میں بسنے والوں کو پیدا کیا ہے، اس بدنظمی اور شرف انسانیت کی اس ارزانی پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ اس رحمان ورحیم نے اس حال کو بدلنے کا فیصلہ فرمایا اور عالم کے نجات دہندہ کو عرب کی سرزمین میں وجود بخشا۔ یہ خداوندِ تعالیٰ کی رحمت تھی، جو اس جسدِ نورانی کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے ایسے حالات پیدا فرمائے کہ اس شجرِ خبیث کی جڑیں ہی کٹ گئیں جو ان زہریلے اور کڑوے کسیلے پھلوں کی پیدائش کا سبب تھا۔

آپؐ کی ولادت اور آپؐ کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی جس پر اس عجمی تمدن کا کوئی اثر نہیں تھا۔ آپؐ اہل عجم کی مخالطت اور مجالست سے محفوظ رکھے گئے۔ یہی نہیں، بلکہ آپؐ نے کسی بھی انسان سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ اس زمانے میں اہل عرب ایران اور فارس سے ایسے تعلقات نہیں رکھتے تھے، جن کی بنا پر ان کی تہذیب اور زندگی عجمی تکلفات اور تصنع سے متاثر ہوسکتی تھی اور ان کے رسوم ورواج بھی عربوں تک نہیں پہنچے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو ان تمام امور سے اس لیے محفوظ رکھا گیا کہ خدا تعالیٰ آپ کو ایک ایسی کسوٹی بنانا چاہتا تھا جو دنیا بھر کے لیے حق وباطل کا معیار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام اپنے رسول پر نازل فرمائے ان میں اہلِ عجم کی عادات ورسوم سے بچنے کی خاص طور پر تلقین کی گئی ہے۔ بلکہ حضورؐ نے اپنی امت کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی عادات واطوار کے اختیار سے منع فرمایا۔ ان کے رسم ورواج کی برائیاں خوب کھول کھول کر سمجھائیں اور مجموعی حیثیت سے دنیاوی زندگی

میں انہماک اور لذت وشہوت کی اتباع کو ناجائز بتایا۔ آپؐ نے اس بات کی تعلیم بھی دی کہ انسان کی زندگی موت کی حدوں سے محدود نہیں ہے۔ آخرت کی زندگی پر ایمان ضروری قرار دیا گیا اور ہر اس بات سے مسلمانوں کو روکا گیا جو آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی میں انہماک بڑھاتی ہے۔اہل عجم لباس وطعام میں جن امور کے عادی تھے، حضورؐ نے اپنی امت کو ان سے سختی سے منع فرمایا۔ آپؐ کی لائی ہوئی شریعت میں اسی لیے ریشم ودیبا اور منقش اور مزین کپڑے کے لباس کا استعمال ممنوع ہے۔ آپؐ نے مردوں کو گہرے اور شوخ رنگوں کے لباس استعمال کرنے سے، سونے چاندی کے زیور پہننے سے اور تمام مسلمانوں کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا۔ نیز مکانوں کی دیواروں کو منقش کرنے اور ان کی زینت سے روکا۔ ان تمام پابندیوں سے مقصود یہ تھا کہ آپؐ فی الحقیقت اس تہذیب کے سارے نشانوں کو مٹادینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ تہذیب جس نے انسان کی زندگی کو اس کے لیے عذاب اور وبال بنادیا تھا۔

خدا نے اپنے نبیؐ کو ایسی حکومت عطا فرمائی جس نے ان بادشاہوں کی حکومتوں کو زوال کا منہ دکھایا۔ آپؐ کی ریاست نے ان کی ریاست کو ہمیشہ کے لیے فنا کردیا۔ یہ محض ایک پیش گوئی نہ تھی کہ ''کسریٰ ہلاک ہوگا اور ایسے کہ اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح قیصریت کو ایسا زوال آئے گا کہ اس کا نام لینے والا بھی کوئی نہ رہے گا۔''

بلکہ یہ ایک خدائی فیصلہ تھا جو کہ پورا ہوکر رہا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ عادتیں اور خصائل جو ان عجمی ملکوں میں عام تھے خدا کی نظروں میں کس قدر غیر پسندیدہ تھے اورا نہیں مٹانے کے لیے اس نے ان ملکوں کی فنا اور تباہی کا فیصلہ فرمایا۔

سیّدنا بلالؓ

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لئے
کسی کے شوق میں تونے مزے ستم کے لئے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

....

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

....

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی
کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری
سحر قریب ہے، اللہ کا نام لے ساقی

....

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلادیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

۔ علامہ اقبال مرحوم